اقامتِ دین اور جماعتی زندگی

ایک بزرگ عالمِ دین جماعت کی دعوت اور طریق کار کو عین حق سمجھتے ہیں اور جماعت کے باقاعدہ متفق بھی ہیں' ان کا خیال ہے کہ فریضہ اقامت دین فرضِ عین نہیں بلکہ فرضِ کفایہ ہے۔ اس لیے جب کچھ لوگ حصہ لے رہے ہیں تو کوئی ضروری نہیں کہ اس میں ہر ایک شخص حصہ لے۔ اگر کسی شخص کی دنیوی مصلحتیں اسے اس کام سے روکتی ہیں اور وہ اقامت دین کے لیے کوئی کام نہیں کرتا' تو اس سے اللہ تبارک و تعالیٰ کے یہاں کوئی مواخذہ نہیں ہو گا۔

رہی جماعت کی تنظیم' اس سے منسلک ہونا' اس کے امیر کی اطاعت' اس راہ میں آنے والی مشکلات پر صبر اور اس نصب العین کے لیے ہر قسم کی جانی و مالی قربانیاں' تو ان امور کو وہ بالکل نوافل کا درجہ دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ صاف الفاظ میں کہتے ہیں کہ یہ امور تو ایسے ہیں جیسے نماز تہجد۔

وہ کہتے ہیں ایسی مختلف تنظیمیں جو مختلف ادوار اور مختلف ممالک میں دین کا کام کرنے کے لیے قائم ہوں' ان کے نظم کی پابندی اور اس کے اولو الامر کی اطاعت فرض نہیں ہے۔ اطاعت تو رسول اللہ ؐ اور خلفاے راشدینؓ کی فرض تھی نہ کہ ایسی جماعتوں کے امرا کی۔

جن عالمِ دین کا یہ خیال ہے ان کو غلط فہمی یہ ہے کہ اقامتِ دین کی سعی ہر حال میں صرف فرض کفایہ ہے۔ حالانکہ یہ فرض کفایہ صرف اسی حالت میں ہے جب کہ آدمی کے اپنے ملک یا علاقے میں دین قائم ہو چکا ہو' اور کفار کی طرف سے اس دارالاسلام پر کوئی ہجوم نہ ہو' اور پیشِ نظر یہ کام ہو کہ آس پاس کے علاقوں میں بھی اقامت دین کی سعی کی جائے۔ اس حالت میں اگر کوئی گروہ اس فریضے کو انجام دے رہا ہو تو باقی لوگوں پر فرض ساقط ہو جاتا ہے' اور معاملہ کی نوعیت نماز جنازہ کی سی ہوتی ہے۔

لیکن اگر دین خود اپنے ہی ملک میں مغلوب ہو' اور خدا کی شریعت متروک و منسوخ کر کے رکھ دی گئی ہو' اور علانیہ منکرات اور فواحش کا ظہور ہو رہا ہو' اور حدود اللہ پامال کی جارہی ہوں' یا اپنا ملک دارالاسلام تو بن چکا ہو مگر اس پر کفار کے غلبے کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہو' تو ایسی حالتوں میں یہ فرض کفایہ نہیں بلکہ فرض عین ہوتا ہے' اور ہر وہ شخص قابلِ مواخذہ ہو گا جو قدرت و استطاعت کے باوجود اقامتِ دین اور حفاظتِ دین کے لیے جان لڑانے سے گریز کرے گا۔

اس معاملے میں کتب فقہ کی ورق گردانی کرنے سے پہلے صاحبِ موصوف کو قرآن مجید پڑھنا

چاہیے ، جس میں جہاد سے جی چرانے والوں کو سخت وعیدیں سنائی گئی ہیں ، حتیٰ کہ انھیں منافق تک ٹھہرایا گیا ہے ، حالانکہ وہ نماز روزے کے پابند تھے۔ قرآن اس طرح کے حالات میں جہاد ہی کو ایمان کی کسوٹی قرار دیتا ہے ، اور اس سے دانستہ گریز بلکہ تساہل برتنے والوں کی کسی اطاعت کو بھی لائقِ اعتنا نہیں سمجھتا۔

اس کے بعد اگر کسی توثیق کی ضرورت صاحب موصوف کو محسوس ہو تو وہ فقہ کی کتابوں میں جہاد کی بحث نکال کر دیکھ لیں کہ دارالاسلام پر ہجومِ عدُو کی صورت میں جہاد فرض کفایہ ہے یا فرض عین۔ جس زمانے میں فقہ کی یہ کتابیں لکھی گئی تھیں اس وقت ممالکِ اسلامیہ میں سے کسی جگہ بھی اسلامی قانون منسوخ نہیں ہوا تھا اور نہ حدود شرعیہ معطل ہوئی تھیں ، اس لیے انھوں نے صرف ہجومِ عدُو ہی کی حالت کا حکم بیان کیا ہے۔ لیکن جب کہ مسلمانوں کے اپنے وطن میں کفر کا قانون نافذ اور اسلام کا قانون منسوخ اور اختیار ان لوگوں کے ہاتھ میں ہو جو حدود اللہ کی اقامت کو وحشیانہ فعل قرار دیتے ہیں ، تو معاملہ ہجومِ عدو کی بہ نسبت کئی گنا زیادہ سخت ہو جاتا ہے ، اور اس صورت میں کوئی شخص جو دین کا کچھ فہم بھی رکھتا ہو اقامتِ دین کی سعی کو محض فرض کفایہ نہیں کہہ سکتا۔

رہا نظمِ جماعت تو اس کے بارے میں یہ بات واضح ہے کہ احکامِ کفر کے مقابلے میں احکامِ الٰہی کے اجرا کی کوشش بہرحال منظم اجتماعی جدوجہد کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اس کے لیے جماعت کا وجود اور جو جماعت موجود ہو اس کا التزام ضروری ہے۔ اس مضمون پر کثیر التعداد احادیث دلالت کرتی ہیں۔ البتہ جہاں تمام اہلِ ایمان کی ایک جماعت موجود نہ ہو اور اس مقصد عظیم کے لیے اجتماعی قوت پیدا کرنے کی مختلف کوششیں ہو رہی ہوں ، تو التزام جماعت کے ان احکام کا اطلاق تو نہ ہو گا جو الجماعت کی موجودگی میں شارع نے دیے ہیں۔

لیکن کوئی ایسا شخص جو اقامتِ دین کے معاملے کی شرعی اہمیت سے واقف ہو ، اور اس معاملہ میں ایک مومن کے فرض کا احساس رکھتا ہو ، ان کوششوں کے ساتھ بے پروائی کا رویّہ اختیار نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے لازم ہے کہ سنجیدگی کے ساتھ ان کا جائزہ لے اور جس کوشش کے بھی صحیح و برحق ہونے پر مطمئن ہو جائے اس میں خود بھی حصہ لے۔ پھر حصہ لینے کی صورت میں (یعنی جب کہ آدمی ایک جماعت کو برحق جان کر اس سے وابستہ ہو چکا ہو) نظم و اطاعت کا التزام نہ کرنا سراسر ایک غیر اسلامی فعل ہے۔

یہ اطاعت محض نفل نہیں بلکہ فرض ہے ، کیونکہ اس کے بغیر فریضہ اقامت دین عملاً ادا نہیں ہو سکتا۔ احادیث میں اطاعتِ امر کے جو احکام آئے ہیں اور خود قرآن میں اطاعت اولوالامر کا جو فرمان خداوندی آیا ہے ان کے متعلق یہ سمجھنے کے لیے کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ احکام صرف رسول اللہ ؐ اور

خلفاے راشدینؓ کے عہد کے لیے تھے۔ اگر یہ بات ہو تو اس کے یہ معنی ہیں کہ اب نہ کوئی اسلامی حکومت چل سکتی ہے اور نہ کبھی جہاد فی سبیل اللہ ہو سکتا ہے' کیونکہ نظام کی پابندی اور سمع و طاعت کے بغیر ان چیزوں کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ میں سخت حیران ہوں کہ کوئی شخص جس کو علم دین کی ہوا بھی لگی ہو' ایسی بے سروپا باتیں کیسے کہہ سکتا ہے۔

اکثر میرے ذہن میں یہ سوال ابھرتا رہا ہے کہ اسلام کے ارکان کی حیثیت سے پانچ چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے' ان میں فریضہ اقامت دین کی جدوجہد شامل نہیں ہے' حالانکہ اس کی اہمیت کے پیش نظر اسے چھٹے رکن کی حیثیت حاصل ہونی چاہیے تھی۔ صراحتاً فرمایئے کہ دین کے اوامر میں فریضہ اقامت دین کی کیا حیثیت ہے؟

فریضہ اقامتِ دین کی حیثیت سمجھنے میں آپ کو الجھن اس لیے پیش آئی ہے کہ آپ ارکانِ اسلام اور فرائضِ اہلِ ایمان میں فرق نہیں کر رہے ہیں۔ ارکان اسلام وہ ہیں جن پر اسلامی زندگی کی عمارت قائم ہوتی ہے اور فرائضِ اہلِ ایمان وہ مقتضیاتِ ایمان ہیں جنھیں اسلامی زندگی کی تعمیر کے بعد پورا کیا جانا چاہیے۔ ارکان اسلام قائم نہ ہوں تو سرے سے اسلامی زندگی کی عمارت کھڑی ہی نہ ہوگی' لیکن اس عمارت کے کھڑے ہو جانے کے بعد اگر مقتضیاتِ ایمان پورے نہ کیے جائیں تو یہ ایسا ہوگا جیسے جنگل میں ایک بے مصرف اور ویران عمارت کھڑی ہے۔ فریضہ اقامتِ دین اسلام کا ستون نہیں ہے' بلکہ وہ اسلام کی عمارت تعمیر کرنے کے مقاصد میں سے اہم ترین مقصد ہے۔ مزید برآں اسی پر اس عمارت کے استحکام اور اس کی آبادی اور اس کی توسیع کا انحصار ہے۔ اگر اس فرض کو مہمل چھوڑ دیا جائے تو اسلام کی عمارت بتدریج بوسیدہ ہو جائے گی' اور اس میں فسق و کفر کو قدم جمانے کا موقع مل جائے گا' اور اس کے وسیع ہو کر جمیع خلائق کے لیے پناہ گاہ بننے کا کوئی امکان ہی نہ ہوگا۔ اسی لیے اس کام کو اسلام میں مسلمان کی زندگی کے مقصد کی حیثیت سے بیان کیا گیا ہے۔ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ - (البقرہ ۲: ۱۴۳) اور كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (آل عمران ۳: ۱۱۰)۔

ایک بزرگ پہلے جماعت سے اس حد تک تعلق رکھتے تھے کہ رکنیت کی درخواست دینے والے تھے' لیکن یکایک ان کے ذہن رسا میں ایک نکتہ پیدا ہوا اور وہ اپنا دامن جھاڑ کر جماعت سے اتنی دور جا کھڑے ہوئے گویا انھیں جماعت سے کبھی کوئی تعلق رہا ہی نہیں تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اسلامی دستور کی تشکیل کے بعد پاکستان ایک اسلامی ریاست بن چکا ہے' اور یہاں تمام مسلمان شہری ایک نظامِ اطاعت میں منسلک ہو چکے ہیں۔ یہ نظامِ اطاعت سب کو جامع اور سب پر فائق ہے۔ اب سب کی اطاعتیں اس بڑے نظامِ اطاعت کے گرد جمع ہو چکی ہیں۔ لہٰذا اس کی موجودگی میں کسی اور نظم کا قائم ہونا اور افراد سے اپنی

اطاعت کا مطالبہ کرنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک حکومت کے اندر ایک متوازی حکومت کا قائم کرنا۔ تمام مسلمان شہری اب کسی جماعت کے نہیں بلکہ اس ریاست کی ہمہ گیر تنظیم کے رکن ہیں' اور اب ان کی تمام اطاعتیں اور وفاداریاں اسی تنظیم کا حق ہیں نہ کہ کسی اور جماعت کا۔ اب اطاعت کسی کی نہیں بلکہ ریاست کے صدر کی ہونی چاہیے۔ اس استدلال کا کیا جواب ہے؟ کیا اسلامی ریاست واقعی ایک ایسی ریاست ہوگی جس میں کسی دوسری پارٹی کو جنم لینے اور جینے کا موقع نہیں ملے گا؟ اگر ملے گا تو ایک نظام اطاعت کے لحاظ سے اس کی کیا حیثیت ہوگی؟ کیا اب کسی مسلمان کا یہ استدلال درست ہے کہ اب اسے اسلام کے اجتماعی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے کسی جماعت میں شریک ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ ایک اسلامی ریاست کا ایک شہری ہے۔

جن صاحب کا یہ موقف ہے ان کی عقل نے وہ نکتہ پیدا کیا جو ابھی تک موجودہ "امراء المومنین" کو بھی نہیں سوجھا ہے۔ اگر یہ بات انھیں سوجھ جائے تو ملک کی تمام جماعتوں کو بیک جنبشِ قلم ختم کر کے ہمیشہ کے لیے ہر اس شخص کا منہ بند کر دیں جو یہاں احکامِ اسلامی کے اجرا کا نام لے' اور پھر یہاں صرف رقص و سرود اور فسق و فجور ہی ہوتا رہے۔ اس کے بعد تو یہاں اطمینان کے ساتھ انگریزی دَور کے قوانین چلتے رہیں گے اور شریعت کے نفاذ کی جدوجہد کرنے والے دنیا ہی میں نہیں آخرت میں بھی سیہ رُو اور مستحقِ عذاب ٹھیریں گے' کیونکہ شرعاً وہ نفاذ شریعت کی سعی کرنے کے مجاز ہی نہ ہوں گے۔ مجھے تو یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ جن صاحب کی عقل و خرد کا یہ حال تھا وہ جماعت کو چھوڑ کر دُور چلے گئے۔

اسلامی ریاست کی ایک حالت وہ ہوتی ہے جس میں ریاست صرف نظریے کے اعتبار ہی سے اسلامی نہ ہو بلکہ عملاً حکومت بھی اسلامی ہو۔ صالح و متقی اہل ایمان اس کو چلا رہے ہوں' شوریٰ کا نظام اپنی حقیقی اسلامی روح کے ساتھ قائم ہو' اور پورا نظامِ حکومت ان مقاصد کے لیے کام کر رہا ہو جن کی خاطر اسلام اپنی ریاست قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس صورت میں ریاست کا صدر ہی تمام اہلِ ایمان کا لیڈر ہو گا اور اس کی قیادت میں تمام اہلِ ایمان ایک جماعت ہوں گے۔

دوسری حالت وہ ہے جس میں ریاست صرف نظریے کے اعتبار سے اسلامی ہو' باقی خصوصیات اس میں نہ پائی جاتی ہوں۔ اس حالت کے مختلف مدارج ہیں اور ہر درجے کے احکام الگ ہیں۔ بہرحال ایسی حالت میں اصلاح کے لیے منظم اجتماعی کوشش کرنا ناجائز تو کسی طرح نہیں ہے' اور بعض صورتوں میں ایسا کرنا فرض بھی ہو جاتا ہے۔ اسے ناجائز قرار دینے کا خیال اسلامی ریاست کے فاسق حکمران کریں تو کریں' لیکن یہ عجیب بات ہوگی کہ اس کے صالح شہری بھی اسے ناجائز مان لیں' در آں حالیکہ اس کے عدم جواز کی کوئی شرعی دلیل سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ اگر یہ چیز ناجائز ہو تو آخر ان ائمہ مجتہدین کا کیا مقام قرار پائے گا جنھوں نے بنی امیہ کے خلاف اٹھنے والوں کی خفیہ اور اعلانیہ تائید کی؟

(اخذ و ترتیب (خرم مراد): رسائل و مسائل' حصہ چہارم' ص ۳۴۶ تا ۳۵۰)